نیساں اکبر آبادی : بیسویں صدی کا ایک اہم تاریخ گو

Nisan Akbarabadi: An Important Historian of the Twentieth Century

*Sadia Sardar
** Prof. Dr. Abrar Abdul Salam

Abstract:
Nisan Akbarabadi is a family poet. His family is a family of poets and this verse "In Khana Huma Aftab Ist" is true for him. Mir Anais had said that the fifth Pashtu is in Shabbir's praise. In my poor knowledge, the third Pashtu is also of Nisan Akbarabadi. Syed Ali Ibad alias Nisan Akbarabadi is one of the poets of the twentieth century who used his poetic ability in different ways. He recited prayers in various genres in such a way that his Kadir-ul-Kalami was confirmed. He provided proof of his ability in poetry by reciting ghazals, poems, qasidas, hymns, naats, salams, segments and historical segments. His perfection is that he presented the Holy Quran in the form of Urdu poems. He dressed the 239 sermons of Nahj-ul-Balagha in the form of a poem. The prayers of Saheeh Kamila, which is a col lection of prayers of Hazrat Zainul-Abidin (Radi Allahu Anhu), were presented in the form of a poem through poetry. These literary achievements will always be remembered in literary history of Urdu.
Keywords: *Nisan Akbarabadi, Historian, Twentieth, Urdu, Ghazal, Poems.*

تعارف:

ہندوستان میں انیسویں صدی کے معتبر و مفتخر فنون میں سے ایک تاریخ گوئی کا فن بھی ہے۔ یہ ہندوستان میں بالعموم اور شمالی ہند میں بالخصوص تہذیب کی علامتوں میں سے ایک علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس صدی میں شاعری کا جوہر اسی فن میں کھلتا تھا اور حالی کے بقول تو اسے شاعر ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جو تاریخ نہ کہہ سکتا تھا۔(۱) اگر کوئی شخص اس کے باوجود اپنے شاعر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا تو اس کے اس دعوے کو مشکوک سمجھا جاتا تھا۔ بیسویں صدی میں جہاں اردو کی بہت سی اصناف نے اپنا چولا بدلا وہیں بہت سی اصناف اور فنون زمانے کے تقاضوں کے بدل جانے کی وجہ سے گوشہء گمنامی میں مستور ہو گئے۔ ان میں سے ایک فن

....

*Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, Ghazi University, Dera Ghazi Khan, Pakistan.sadia.sardar843@gamil.com
**Department of Urdu, Emerson University Multan, Pakistan.drabrarabdulsalam@gmail.com

تاریخ گوئی کا بھی ہے۔ انیسویں صدی تاریخ گوئی کے عروج کی صدی ہے۔ بیسویں صدی میں اس فن نے اپنی بساط لپیٹنا شروع کر دی تھی اور اس صدی کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے تو صورت حال اس نوبت تک پہنچ گئی تھی کہ شاید ہی کوئی شاعر ہو جو اس فن میں مہارت رکھتا ہو یا کم از کم تاریخ کہہ سکنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کے اسرار و رموز سے مکمل واقفیت کا دعویٰ بھی رکھتا ہو۔ ہندو پاک میں اگر اس فن کے جاننے والوں اور اس میں تاریخ کہہ سکنے والوں کو شمار کیا جائے تو ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ یہ بھی وہ شخصیات ہیں جنھوں نے انیسویں صدی کے جید شعرا کی آنکھیں دیکھی ہوئی تھیں یا ان کے شاگردوں سے مستفید رہ چکے ہیں۔ ان شعرا میں حامد حسن قادری، خالد حسن قادری، حفیظ ہوشیار پوری، رئیس امروہوی، شمیم صبا متھراوی، ساحر لکھنوی،، قمر وارثی، ظہور جارچوی، کوثر تقوی، سیدہ، مغیث الدین فریدی، اعجاز جود ھپوری، مہر تقوی جے پوری، سید انور علی شاد جے پوری، شاغل عثمانی جے پوری، منشی چند بہاری لال جے پوری، رسا لکھنوی، عشرت جلالی رامپوری، شرف خورجوی، شائق اکبر آبادی، انتخاب علی کمال، زبیر فاروقی شوکت اور طالب اجمیری قابلِ ذکر نام ہیں۔ بیسویں صدی کے ان تاریخ گو شعرا میں ایک چمکتا ہوا ستارہ سید علی عباد عرف نیساں اکبر آبادی کا بھی ہے۔

نیساں اکبر خاندانی شاعر ہیں۔ ان کے دادا محمد حسین قمر، نانا سید وقار علی عروج، چچا سید آلِ محمد اخگر، ماموں علامہ نجم آفندی، بھائی سجاد علی مہر شاعر تھے۔ ان کی دادی بھی شاعرہ تھیں۔ اس لحاظ سے ان کا گھرانہ شاعر گھرانا ہے اور ان پر یہ مصرع "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" صادق آتا ہے۔ میر انیس نے کہا تھا پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں۔ میرے ناقص علم میں تیسری پشت تو نیساں اکبر آبادی کی بھی ہے۔ سید علی عباد عرف نیساں اکبر آبادی بیسویں صدی کے ان شعرا میں سے ہیں جنھوں نے اپنی شعری صلاحیت کا استعمال مختلف انداز اور مختلف اصنافِ سخن میں اس طرح کیا کہ ان کی قادرالکلامی پر مہر تصدیق ثبت ہو گئی۔ انھوں نے شاعری میں غزل، نظم، قصیدہ، حمد، نعت، سلام، قطعات اور تاریخی قطعات کہہ کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت فراہم کیا۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کو اردو اشعار کے روپ میں پیش کیا۔ نہج البلاغہ کے ۲۳۹ خطبات کو نظم کا جامہ پہنایا۔ صحیفہء کاملہ جو حضرت زین العابدین ؑ کی چون دعاؤں کا مجموعہ ہے، کی دعاؤں کو شعری صورت گری کے ذریعے نظم کے پیکر میں ڈھال کر پیش کیا۔ ان کے یہ ادبی کارنامے اردو کی ادبی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

اردو کی وہ اصناف جو انیسویں صدی میں شعرا کا طرہء امتیاز ہوا کرتی تھیں، نیساں اکبر آبادی نے بیسویں صدی میں بھی انھیں اپنے دل سے لگا کر رکھا اگرچہ آج کل اردو شاعری اپنی صورت، ہیئت اور موضوعات میں انیسویں صدی کی شاعری سے بہت مختلف ہو چکی ہے لیکن نیساں اکبر آبادی ان شخصیات میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنی قدیم مشرقی اور شعری روایات کو اپنے دل سے لگا کر رکھا۔ زمانے کے انقلاب اور روایات کی تبدیلی کے باوجود نہ اپنے آپ کو بدلا اور نہ اپنے خیالات کو۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنی کلاسیکی شعری روایت سے انحراف کرنا پسند نہیں کیا۔ نیساں اکبر آبادی کے شعری کلام کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ قدیم مشرقی شعری روایت سے ان کا تعلق پختہ اور مستحکم ہے۔ یہ تعلق ذہن و دل ہر دو سطحوں سے جڑا ہوا

محسوس کیا جا سکتا ہے۔

انیسویں صدی تاریخ گوئی کے عروج کی صدی تھی۔ اس عہد میں بڑے بڑے قد آور اور باکمال تاریخ گو شعرا پیدا ہوئے۔ ان قد آور شعرا کے شاگردوں میں ایک معروف نام سید وقار علی عروج کا بھی ہے۔ سید وقار علی عروج اپنے دور کے منفرد تاریخ گو اور معروف شاعر تھے۔ تاریخ گوئی میں ان کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ وہ باتوں باتوں میں تاریخ کہہ دیا کرتے تھے۔ نیساں اکبر آبادی نے فن تاریخ گوئی کی تربیت اپنے نانا سید وقار علی عروج سے حاصل کی۔ انھی کے فیض کی بدولت انھوں نے بھی اس فن میں اس درجہ استعداد حاصل کر لی تھی کہ بہت مختصر وقت میں تاریخ کہہ دیا کرتے تھے۔ اس حوالے سے انھوں نے اپنی کتاب ''دُرجِ تاریخ'' میں دو واقعات بھی نقل کیے ہیں۔(۲)

''دُرجِ تاریخ '' نیساں اکبر آبادی کی تاریخی قطعات پر مشتمل کتاب ہے ۔ اس کتاب میں ان کے کہے ہوئے ۱۶۷ قطعات تاریخ اور ۸ دیگر تاریخیں شامل ہیں۔ یہ قطعات ان کے معاصرین سے متعلق بھی ہیں اور گذشتہ صدیوں میں وفات پانے والے مشہور شعرا سے متعلق بھی ۔ان تاریخوں سے نیساں کی قادرالکلامی بھی ظاہر ہوتی ہے اور مشاقی بھی۔ ان تاریخوں کے پیشِ نظر انھیں بیسویں صدی کا ایک اہم تاریخ گو کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ تاریخ کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ جس مصرع سے سنہ مطلوب حاصل کی جائے وہ مصرع سالم میں لکھا جائے۔ جزو مصرع یا مصرع کے کسی لفظ یا حرف سے تاریخ مستخرج کرنے کو بھی تاریخ گو اساتذہ نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔(۳) نیساں اکبر آبادی کی تاریخوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے بیشتر مادہء تاریخ مکمل مصرعوں سے بر آمد ہوتے ہیں۔ ذیل میں چند تاریخیں ملاحظہ کیجیے۔

تاریخِ وفات امیر خسرو

نغمہ خوانی سے خسرو کا تھا ربط — نامور خوش بیانی سے خسرو
کیسی برجستہ تاریخ کہہ دی — '' وہ گیا دارِ فانی سے خسرو'' ۱۳۲۴ھ (۴)

تاریخِ وفات محمد قلی قطب شاہ

قطب شاہ کہتا ہے جس کو جہاں — وہ پہلا ہے اردو ادب کا امام
اسی کے لیے ہے یہ تاریخِ مرگ — 'محمد قلی شاعرِ خاص و عام' ۱۶۱۱ھ (۵)

تاریخِ وفات پروین شاکر

پرویں شاکر کا حادثہ جانکاہ — سارے لوگوں کے غم میں اشک ڈھلے
کل تلک رونقِ شباب رہی — ''اب گیا ہے شباب خاک تلے'' ۱۴۱۵ھ (۶)

تاریخ کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تاریخ کہنے والا جس شخص یا واقعہ کی تاریخ کہنا چاہتا ہے۔ اس واقعہ یا صاحبِ واقعہ کا نام اس طرح مادہء تاریخ میں استعمال کرے کہ پڑھنے والا فوراً سمجھ جائے کہ یہ کس شخص یا واقعہ کی تاریخ کہی گئی ہے۔(۷) اکثر

اوقات یہ ہوتا ہے کہ شاعر قطعہء تاریخ کے اشعار میں تو واقعہ یا صاحبِ واقعہ کا ذکر کر دیتا ہے لیکن اس کا ذکر مادہء تاریخ میں نہیں کرتا۔ ایسی تاریخ اُس تاریخ سے کمتر شمار کی جاتی ہے جس کے مادہء تاریخ میں صاحبِ واقعہ یا وقوعِ واقعہ کا ذکر ہو۔ نیساں اکبر آبادی کی تاریخوں میں یہ خوبی بدرجہء اتم موجود ہوتی ہے۔ ان کی بیشتر تاریخوں میں صاحبِ واقعہ کا نام بھی موجود ہوتا ہے۔ صاحبِ واقعہ کے نام سے مادہء تاریخ کی خوبی دوبالا ہو جاتی ہے۔ اس سے مادہء تاریخ بھی یاد رہ جاتا ہے اور سالِ وفات برآمد کرنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔ مادہء تاریخ میں صاحبِ واقعہ یا وقوعِ واقعہ کے ذکر کے آنے کی وجہ سے قاری پورے قطعے کو یاد رکھنے کی زحمت سے بچ جاتا ہے۔ ذیل میں صفی لکھنوی اور عزت لکھنوی کی وفات کی وہ تاریخیں درج کی جاتی ہیں جن کے مادہء تاریخِ وفات میں دونوں شاعروں کے نام استعمال ہوئے ہیں۔

تاریخِ وفات صفی لکھنوی

یہ جو دنیا میں تھی سرائے چھوڑ کر اس کو گئے — خلد کے گلشن میں کتنے ہی سخنور آ گئے
مصرعہء تاریخ یہ رضواں سے مجھ کو مل گیا — "باغِ جنت میں صفی لکھنوی بھی جا بسے" ۱۹۵۰ء(۸)

تاریخِ وفات عزت لکھنوی

متقی ذیشان عزت لکھنوی — مذہبی رجحان زیبِ شاعری
وقفِ ذکرِ پنجتن ان کی حیات — بعدِ مُردن بھی ہے ان کی زندگی
مجھ کو اک الہام سا ہونے لگا — مصرعہء تاریخ کی جب فکر کی
ہاتھ آیا مصرعہء تاریخ یہ — "خلد میں ہیں آج عزت لکھنوی" ۱۴۰۱ھ (۹)

اکابر تاریخ گو شعرا نے تاریخ کی یہ خوبی بھی بتائی ہے کہ جس شخص کی تاریخ کہنا مقصود ہو اس کا پورا نام مع القاب وآداب کے مادہء تاریخ کا جزو ہونا چاہیے۔ بالفرض مادہء تاریخ میں پورا نام نہ آسکے تو نام کا کوئی جزو ضرور مادہء تاریخ میں موجود ہونا چاہیے۔ بالخصوص ایسا جزو جس سے متعلقہ شخص کو پہچانا جا سکے۔ نواب عزیز جنگ وِلا نے کامل لکھنوی کا قول نقل کیا ہے کہ اگر تاریخ میں پورا نام نہ آسکے تو مجبوری کی حالت میں جزو نام بھی کافی ہو گا۔ اس کے لیے انھوں نے درج ذیل تاریخ پیش کی ہے۔ جیسے "قیامت ہوئی ہائے مہدی کی رحلت" ۱۳۲۵ھ۔(۱۰) مذکورہ مصرع میں مذکور شخص کا پورا نام مہدی علی ہے یہ پورا نام مادہء تاریخ میں نہیں لایا جا سکا۔ اس لیے صرف نام کا جزو خاص ہی تاریخ میں شامل کر دیا گیا۔ نیساں اکبر آبادی کی بیشتر تاریخیں مذکورہ بالا معیار یا خوبی کی حامل ہوتی ہیں۔ وہ مادہء تاریخ میں یا تو مطلوبہ شاعر کا پورا نام لاتے ہیں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو نام کا اہم جزو مادہء تاریخ میں لاتے ہیں۔ اس جزوِ خاص کی وجہ سے قاری کو یہ معلوم کرنے میں دقت پیش نہیں آتی کہ مذکورہ تاریخ کس شخص کی کہی گئی ہے۔ مزید یہ کہ وہ اس جزوِ خاص کو مادہء تاریخ میں اس خوبصورتی سے لاتے ہیں کہ وہ صرف تاریخ ہی نہیں رہتی ادب کا اعلیٰ نمونہ بھی بن جاتا ہے۔ مثلاً نظیر اکبر آبادی کی وفات کا مادہء تاریخ وفات "صحن فردوس میں پہنچا وہ نظیر"

۱۸۴۶ء(۱۱) مرزا سلامت علی دبیر کی وفات کا مادہء تاریخ وفات "دشتِ فانی سے گیا دیکھ دبیر کامل"۱۲۹۲ھ (۱۲) باقی صدیقی کی وفات کا مادہء تاریخ "خلد میں ہے دیکھیے وہ باقیِ رنگین سخن" ۱۹۷۵ء(۱۳) ڈاکٹر یاور عباس کی وفات کا مادہء تاریخ " باغِ خلد میں یاور گیا"۱۹۸۵ء(۱۴) فیض بھرتپوری کی وفات کا مادہء تاریخ"مرثیہ گو فیض آئے ہیں ارم" ۱۹۸۹ء(۱۵) تحسین جعفری کی وفات کا مادہء تاریخ"باغِ فردوس میں تحسین اب آئے" ۱۹۹۵ء(۱۶) قیصر بارہوی کی وفات کا مادہء تاریخ "باغِ جنت میں قیصر گئے" ۱۹۹۶ء(۱۷) فراق گورکھپوری کی وفات کا مادہء تاریخ وفات" فراقِ جوش میں فراق اس جہاں سے آگئے" ۱۴۰۲ھ (۱۸) سے نکالا ہے۔ مادہء تاریخ کو پڑھتے ہی صاحبِ واقعہ کے بارے میں آگاہی ہو جاتی ہے۔ قارئین کے ذوقِ طبع کے لیے چار تاریخی قطعات بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

تاریخِ وفات امتیاز علی تاج

اک عالم بے کیفی و بے رنگی ہے ہر سو — دنیا ہے فسردہ کہ اٹھے تاج جہاں سے
تاریخِ وفات ان کی یہ برجستہ نکالی — "مغموم ہوئے تاج کے جانے سے ڈرامے"۱۹۷۰ء

(۱۹)

تاریخِ وفات محسن نقوی

حُبِ اہلِ بیت ان کے دل میں تھی — اپنی الفت کا صلہ وہ پا چکے
آئی کانوں میں مرے آوازِ غیب — "خدمتِ مولا میں محسن جا چکے" ۱۴۱۶ھ (۲۰)

تاریخِ وفات نیر اکبر آبادی والد ماجد نیساں اکبر آبادی

جو آسمان ادب پہ تھا آفتابِ عیاں — گیا جہاں سے تو برہم ہوا سخن کا مزاج
مجھے یہ ہاتف غیبی کی اک ندا آئی — وہ دیکھ " نیر تاباں غروب ہو گیا آج" ۱۹۶۸ء(۲۱)

برادرم پروفیسر سید علی سجاد مہرا کبر آبادی

جب سے گئے ہیں پیارے بھائی اس دنیا سے دور — کوئی نہ جانے کوئی نہ سمجھے کتنا ہوں رنجور
فرقِ قلق کو میں نے اٹھا کر کہ دی یہ تاریخ — " مہرِ درخشاں ڈوبا لیکن بکھرا اس کا نور "۱۰۰-
۲۰۸۹=۱۹۸۹ء(۲۲)

تاریخ گو شعرا کی خواہش ہوتی تھی کہ مادہء تاریخ میں صاحبِ واقعہ کا مکمل نام مع القاب و آداب آنا چاہیے کیونکہ اس سے پڑھنے والے کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کی تاریخ کہی گئی ہے۔ اگر مادہء تاریخ میں سالم نام نہ آسکے اور جزو نام بھی خوبصورتی سے استعمال نہ ہو سکے تو کم سے کم یہ کوشش کی جاتی تھی کہ مادہء تاریخ کے الفاظ سے کوئی خاص اشارہ یا کنایہ، واقعہء مخصوص یا شخصِ مطلوب کی جانب کیا گیا ہو۔ جس سے معاصرین فوراً پہچان لیں کہ یہ تاریخ کس شخص سے متعلق ہے۔ اس کی مثال میں درج ذیل

مادہء تاریخ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں داغ کی رحلت کی تاریخ "ہائے وہ داغ دے گئے دل پر" ۱۳۲۲ھ سے نکالی گئی ہے۔ اس تاریخ میں داغ کے لفظ سے داغ دہلوی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ مذکورہ تاریخ داغ دہلوی کی وفات کے حوالے سے کہی گئی ہے۔(۲۳) اسمٰعیل حسین منیر نے ذوقؔ کی وفات کی تاریخ "نرہا ذوقِ زباں دہلی میں" ۱۲۷۱ھ سے اور خواجہ بدرالدین امان دہلوی کی وفات کی تاریخ قدر بلگرامی نے "آہ بدر آیا خسوفِ گور میں" ۱۲۹۶ھ سے نکالی ہے۔(۲۴) ذیل میں نیساں اکبر آبادی کی وہ تاریخیں درج کی جاتی ہیں جن میں انھوں نے صاحبِ واقعہ کی تاریخِ وفات کے قطعات میں صراحت کا اظہار تو نہیں کیا لیکن وہ مادہء تاریخ میں ایسے اشارے کر جاتے ہیں جن سے صاحبِ واقعہ یا وقوعِ واقعہ سے متعلق جاننے میں مشکل پیش نہیں آتی۔ چند قطعات ملاحظہ فرمایئے:۔

تاریخِ وفات علامہ اقبال

قوم کو جس نے دیا شانِ خودی کا پیام　　کیوں نہ ہو وجہِ فغاں شاعرِ مشرق کی موت
فکرِ رسا سے ملی مجھ کو یہ تاریخِ مرگ　　"قوم کا ہائے زیاں شاعرِ مشرق کی موت" ۱۹۳۸ء(۲۵)

تاریخِ وفات سید محمد جعفری مزاح نگار

وہ جن کو کہتے تھے جعفری سب وہ بادشاہ سخن تھا نیساں　　ہنر سے اپنے دلوں کو جیتا ہے محوِ حیرت بنا کے اٹھا
جو واقعہ ہے وہ نظم کر دو اسی میں تاریخِ مرگ بھی ہے　　یہ ایک طرفہ ہوا تماشا ہنسانے والا رلا کے اٹھا ۱۹۷۶ء(۲۶)

تاریخِ وفات جوش ملیح آبادی

اردو ادب میں جوش کی ہستی تھی مستند　　دانشوروں میں علم کا سکہ بٹھا گیا
لطفِ بیان بھی زورِ بیاں کے تھا ساتھ ساتھ　　رنگِ سخن وہ اپنا سبھی پر جما گیا
جھٹکا قلم تو اس سے بہاریں ٹپک پڑیں　　اک جنبشِ قلم سے گلستاں کھلا گیا
تاریخِ مرگ مل گئی رضواں نے جب کہا　　"نظموں کا بادشاہ بھی جنت میں آ گیا" ۱۹۸۲ء(۲۷)

تاریخِ وفات لیاقت علی خان

قائد ملت کو گولی کا نشانہ کر دیا　　جو وطن پر جاں چھڑکنے کے لیے تیار تھے
واقعہ بھی ہے یہی اور مصرعہء تاریخ بھی　　"قائدِ اعظم سے ملنے قائدِ ملت گئے" ۱۹۵۱ء(۲۸)

شعر میں تاریخ کہہ دینا اگرچہ مشکل کام ہے لیکن ایسا مادہء تاریخ نکالنا جو رواں، برجستہ اور تعقیدِ لفظی سے مبرا ہو مشکل کام ہوتا ہے۔ نیساں اکبر آبادی کے قطعات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کے بیشتر قطعات رواں، برجستہ، اور تعقیدِ لفظی سے پاک ہوتے ہیں۔ قاری مادہء تاریخ کو پڑھتے ہوئے لذت محسوس کرتا ہے۔ یہ لذت وہی جانتے ہیں جنھیں زبان کے مزاج سے شناسائی ہوتی ہے۔ مرزا داغ بھی ایسے ہی مادوں کو پسند کرتے تھے جن میں زبان کی خوبی ہوتی تھی۔ نواب عزیز جنگ وِلا نے داغ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

داغ کی تاکید تھی کہ تاریخ میں بامحاورہ الفاظ کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے۔ خوبی زبان کا درجہ سب پر مقدم ہے۔ عمدہ مضامین نقص زبان کی وجہ سے خاک میں مل جاتے ہیں اور کم درجہ کا مضمون بھی خوبی زبان کے ساتھ چمک اٹھتا ہے۔ ان کا یہ قول تھا کہ اگر کسی مادہء تاریخ میں زبان کی خوبی ہو اور صاحب واقعہ کا نام نہ آسکے تو ایسا مادہء تاریخ اس مادہء تاریخ پر فائق ہو گا جس میں صاحب واقعہ کا نام تو ہو مگر زبان کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔(۲۹) اصغر گونڈوی کی وفات کا مادہء تاریخ "اٹھ گیا دنیا سے اک شاہِ غزل" ۱۹۳۶ء(۳۰) جوش کی وفات کا مادہء تاریخ "نظموں کا بادشاہ بھی جنت میں آگیا" ۱۹۸۲ء(۳۱) میر کی وفات کی تاریخ "بابائے سخن میر تقی میر جہاں ہے" ۱۸۱۰ء (۳۲) ساغر نظامی کی وفات کا مادہء تاریخ" دنیا سے آج اٹھ کے ساغر چلے گئے ہیں" ۱۹۸۴ء(۳۳) محسن نقوی کی وفات کا مادہء تاریخ " خدمتِ مولا میں محسن جا چکے" ۱۴۱۶ھ(۳۴) مرتضیٰ بھٹو کی وفات کا مادہء تاریخ " آچکا ہے مرتضیٰ بھٹو کے پاس" ۱۹۹۶ء(۳۵) تاریخ وفات قیسی رام پوری کا مادہء تاریخ وفات " آج قیسی رام پوری چین سے جنت میں ہیں " ۱۳۹۴ھ (۳۶)

اردو اور فارسی زبان میں کہی جانے والی تاریخیں بالعموم ایک مصرعے یا جزو مصرع سے نکالی جاتی تھیں۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کبھی کبھی شعرا نے قطعہ ء تاریخ کے آخری شعر کے دونوں مصرعوں سے ایک سنہ (ہجری یا عیسوی) یا مختلف سنین (ہجری اور عیسوی وغیرہ) میں تاریخیں نکالی ہیں۔ نیساں اکبر آبادی کی تاریخوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ انھوں نے بعض تاریخیں دو مصرعوں کے مجموعے سے نکالی ہیں۔ یہ تاریخ کا نیا انداز ہے لیکن خرابی اس میں یہ ہے کہ اگر پڑھنے والے کو علم نہ ہو تو وہ اسے ناقص تاریخ کہہ کر رد کر سکتا ہے۔ اس لیے تاریخ گو کو چاہیے تھا کہ وہ قطعاتِ تاریخ میں اس امر کا اظہار کرے کہ مادہء تاریخ ایک نہیں دو مصرعے ہیں۔ جیسا کہ حامد حسن قادری نے حسرت موہانی کی وفات کی تاریخ میں اشارہ کیا ہے کہ مادہء تاریخ ایک مصرع نہیں پورا شعر ہے۔ تاریخ یہ ہے۔

اللہ باقی، باقی فسانی موت حقیقت، زیست کہانی

قادری ان کی مدح ہے مشکل ان پر ہو فضلِ ربانی

پورے شعر میں نکلے تاریخ رہ جائے تیری یہ نشانی

سچے لیڈر، ناقد شاعر مولانا حسرت موہانی ۱۰۴۳ +۹۰۸=۱۹۵۱ء(۳۷)

ذیل میں مرزا رفیع سودا، شوکت تھانوی اور حفیظ جالندھری کی وفات کی تاریخیں درج کی جاتی ہیں۔ تینوں تاریخوں میں نیساں اکبر آبادی نے آخری شعر (دونوں مصرعوں سے) سے تاریخ وفات بر آمد کی ہے۔

تاریخِ وفات مرزا سودا اپنی دنیا بسائی جنت میں چھوٹے وہ قیدِ زندگانی سے

ان کی تاریخ شعر میں کہہ دو داد لو اپنی خوش بیانی سے

" تھے جو سودا قصیدہ گو شاعر چل دیئے آہ دارِ فانی سے ۱۳۰۱

+۴۷۹=۱۷۸۰ء(۳۸)

تاریخِ وفات شوکت تھانوی

دلوں میں ہے گدگدی سی اب تک — وہ شعر ایسے سنا کے اٹھا
دلوں کو تسخیر کر لیا ہے — ادب کی دنیا پہ چھا کے اٹھا
سنا جو شوکت اٹھے جہاں سے — تو میرے منہ سے معاً یہ نکلا
"عجیب میں نے خبر وہ پائی — ہنسانے والا رُلا کے اٹھا

۱۰۸۱ + ۸۸۲=۱۹۶۳ء(۳۹)

تاریخِ وفات حفیظ جالندھری

ہوئے ہیں پیارے خدا کو حفیظ جالندھر — خبر یہ سن کے بہت دل کو مضطرب پایا
کسی نے مجھ سے یہ آ کر کہا کہ اے نیساں — نکالو شعر میں تاریخ ہاں مگر اعلیٰ
نہ اس میں فکر کو ہو دخل نے تخیل کو — یہ کہہ دو شعر میں تاریخ میں نے برجستہ
"جہان چھوڑا کہ پہنچا ارم کی وادی میں — جو شاہنامہء اسلام کا مصنف تھا"

۷۵۲ + ۱۲۳۰=۱۹۸۲ء(۴۰)

تعمیہ اور تخرجہ کو بالعموم تاریخ کے نقائص میں شمار کیا جاتا ہے لیکن بعض شعرانے ان میں بھی ایسی جدتیں اور ندرتیں پیدا کی ہیں کہ اکابر تاریخ گو ان کو بھی مخصوص صورت اور حالت میں محاسنِ تاریخ میں شمار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اردو تاریخ گوئی کی روایت میں مومن نے تعمیہ اور تخرجہ میں خاص التزام سے ایسے حسین اور دلکش جواز پیدا کیے کہ تاریخ گوئی کی روایت میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا۔ نیساں اکبر آبادی کی تاریخوں میں ایسے خوبصورت التزام تو نہیں ملتے لیکن ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ان کی تاریخیں تعمیہ یا تخرجہ کے عیب سے پاک ہوں اور اگر تعمیہ یا تخرجہ کا سہارا لینا بھی پڑے تو اس میں حسنِ التزام برتنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں کیپٹن راشد منہاس شہید نشانِ حیدر اور اسد اللہ خان غالب کی وفات کی تاریخیں پیش کی جاتی ہیں۔ جس میں نیساں اکبر آبادی میں خوبصورت مادہء تاریخ بھی نکالا ہے اور خوبصورت تخرجہ سے مطلوبہ اعداد بھی پورے کر دیے ہیں۔

تاریخ شہادت راشد منہاس

وطن کی الفت ہی اس کو کہیے جو اس طرح دل میں موجزن تھی — جوان راش نے تج کے دنیا بہشت کی سمت رخ کیا ہے
جو وقت آئے تو اپنی جاں کو عزیز ہر گز نہ تم سمجھنا — مجاہدینِ وطن کو نیساں یہ جاتے جاتے سبق دیا ہے
زباں سے میری جو آہ نکلی تو میں نے تاریخ خوب پائی — "شہید راشد نے ہو کے قرباں نشانِ حیدر بھی پا لیا ہے"

۶-۷۷=۱۹۷۱ء(۴۱)

تاریخِ وفات غالب

غالب نے کیا ملک عدم کو آباد　　　اس غم میں ہوا سارا زمانہ ناشاد
تاریخ ملی "آہ" جو منہ سے نکلی　　　"گزرا ہے جہاں سے آج غالب استاد"
۶-۱۸۷۵=۱۸۶۹ء (۴۲)

ذیل میں تین اور تاریخیں پیش کی جاتی ہیں جن میں نیساں اکبر آبادی نے تخرجہ کا سہارا لیا ہے۔

تاریخِ وفات علامہ رشید ترابی

تھا لقب جن کا ترابی نام تھا جن کا رشید　　　خلد کی جانب گئے ہیں یہ کہاں آیا نہ راس
غم زدہ لوگوں میں سے یہ 'ایک' نے اٹھ کر کہا　　　"بن ترابی مجلسیں سونی ہیں منبر بھی اداس"
۳۱-۱۴۲۴=۱۳۹۳ھ (۴۳)

تاریخِ وفات شورش کاشمیری

ایک جرات مند انساں شاعرِ شعلہ بیاں　　　مبتلائے غم تھا کل تک آج وہ راحت میں ہے
تو سرِ افسوس اٹھایہ غیب سے آئی ندا　　　دیکھ " شورش کاشمیری وادیِ جنت میں ہے"
۱-۱۹۷۶=۱۹۷۵ء (۴۴)

تاریخِ وفات احسان دانش

جوش سے ملنے کی خواہش کا جو اک جذبہ اٹھا　　　چل دیے منہ موڑ کے دنیا سے شاعر تھے عظیم
یوں سرِ افسوس اٹھا کے کہہ دی ہے تاریخ مرگ　　　"خلد کی بستی میں ہیں احسان دانش بھی مقیم"
۱-۱۹۸۳=۱۹۸ء (۴۵)

تعمیہ کی بھی ایک خوبصورت مثال دیکھیے۔

تاریخِ وفات علامہ ابو الاعلیٰ مودودی

مودودی جان کا نام تھا عالم تھے دین کے　　　اللہ کے کلام کا بھی ترجمہ کیا
تاریخ مرگ میں نے کہی 'دل' لگا کے یہ　　　"اک فخر روز گار زمانہ سے اٹھ گیا"
۱۹۷۹ء=۳۴+۱۹۴۵ء (۴۶)

شاعر نے لفظ 'دل' کے ۳۴ عدد آخری مصرع کے ۱۹۴۵، اعداد کے مجموعہ سے سالِ مطلوب ۱۹۷۹ء حاصل کیا ہے۔ تعمیہ کے لفظ دل سے شاعر کے خلوص کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ محاسنِ تاریخ میں ایک یہ بھی ہے کہ شاعر جو بھی تاریخ کہے اسے مکمل مصرعے میں کہے آدھے مصرعے یا جزو مصرع میں کہی ہوئی تاریخ کو پسند نہیں کیا جاتا۔ نیساں اکبر آبادی کی کچھ تاریخیں جزو

مصرع سے نکلتی ہیں لیکن ان تاریخوں کی خوبی یہ ہے کہ تاریخوں کے مادے خوبصورت ہیں اور یاد رہ جانے والے ہیں۔ ایسی تاریخیں جن کے مادے خوبصورت اور یاد رہ جانے والے ہوں انھیں راقم الحروف خوبصورت تاریخ میں شمار کرتا ہے۔ ذیل میں حسرت موہانی کی وفات کی تاریخ دیکھیے۔

تاریخِ وفات حسرت موہانی

خلق اعلیٰ شعر بھی تھے بہترین — سختیاں جھیلیں سیاست میں رہے
کس قدر اچھی کہی تاریخِ مرگ — "نامور شاعر تھے حسرت" چل بسے ۱۹۵۱ء(۴۷)

صنعت توشیح اس صنعت کو کہتے ہیں جس کے ہر مصرع میں شاعر پہلا حرف ایسالاتا ہے کہ ہر مصرع کے اول حرف کو اسی ترتیب میں رکھیں جس ترتیب میں وہ مصرعوں میں آئے ہیں۔ تو شخص مطلوب کا نام بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ہر مصرعے کے پہلے حروف کو بحساب جمل جمع کر لیا جائے اور اس سے سال مطلوبہ بھی حاصل ہو تو اسے تاریخ در صنعت توشیح کہتے ہیں۔ تاریخ گو شعرا نے اس فن میں بھی بہت نئے مادہ ہائے تاریخ نکالے ہیں۔ نیساں اکبر آبادی نے اپنے بھائی سید سجاد علی مہر اکبر آبادی کی وفات کا سال صنعت توشیح میں نکالا ہے اور اس نظم کا جو عنوان تحریر کیا ہے وہ بھی تاریخی ہے۔ اس سے بھی ان کا سالِ وفات آشکار ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

بیاد برادر محترم سید علی سجاد مہر اکبر آبادی حلیم مزاج ۱۹۸۹ء

۶۰	سوچا ہے میں نے یہ کہ دکھاؤں کمالِ فن	۳۰۰	شعروں سے آشکار ہو پھر اک جمالِ فن
۱۰	یعنی میں کہہ دوں صنعت توشیح میں وہ نظم	۴۰	محسوس کر لیں جس کو سخن دان اہل بزم
۴	دامن تر آنسوؤں سے پریشاں ہوا ہے دل	۱۰۰	قلبِ حزیں ہوا ہے مرا آج مضمحل
۷۰	عالی وقار مہر سخن کے تھے شہسوار	۲۰۰	رحلت سے ان کی دل کو نہیں ہے مرے قرار
۳۰	لازم ہے مجھ کو ان کی گناؤں میں کچھ صفات	۴۰۰	تھی وجہِ فخر بزمِ سخنور میں ان کی ذات
۱۰	یہ مہر آسمان ادب کے تھے بے گماں	۲۰۰	رمز سخن سے ان کو شناسائی نکتہ داں
۶۰	سوچوں میں ان کی فکر کی گہرائی بھی ملی	۴۰	مضمون آفرینی بھی فطرت میں ان کی تھی
۳	جس رخ سے شعر کہتے تھے وہ منفرد ہی تھا	۶۰	سوزِ دروں کو شعروں میں اپنے بسا دیا
۱	اپنے سخن کے رنگ میں بے مثل ہی رہے	۴۰	منوالیا تھا زورِ قلم شعریوں کہے
۴	دانشوروں نے مانا تھا استادِ فن انھیں	۶۰	سر آنکھوں پہ بٹھائے تھے اہلِ سخن انھیں
۴۰	معلوم ہے زمانے کو جو ان کا تھا مقام	۴۰	مہرِ درخشاں یہ تھے بہر طور لا کلام

۵	ہائے اب ان کی یاد ہی دل میں سمائی ہے	۲	بدلی اداسیوں کی طبیعت پہ چھائی ہے
۲۰۰	رہبر ہے فکر نیساں یہ تاریخ دیکھیے	۱۰	یعنی حروفِ اول ہر مصرع لیجیے (۴۸)
۴۹۷	+		۱۴۹۲ = ۱۹۸۹ء

رسول اکرم ﷺ کی ذات باعثِ تخلیقِ کائنات ہے۔ آپ ﷺ کی محبت ایمان کا حصہ ہے لہٰذا جو شخص یا چیز آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہو گئی یا اس نے تعلق قائم کر لیا وہ معتبر اور معزز و مکرم ہو گئی۔ جب ایک اجنبی شخص کی وابستگی رسولِ اکرم ﷺ سے اسے عرشِ بریں پر پہنچا دیتی ہے تو خود رسولِ اکرم ﷺ کی آل اولاد کی حیثیت اور درجہ کتنا بلند ہو گا اس کے بارے میں ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے۔ آلِ رسول ﷺ و رضی اللہ عنہم سے محبت دراصل رسول اکرم ﷺ سے محبت ہے۔ نیساں اکبر آبادی کو آلِ رسول ﷺ سے خاص عقیدت تھی اس عقیدت کا اظہار ان قطعاتِ تاریخ میں ہوا ہے جو ان کی تصنیف 'دُرجِ تاریخ' کے آخر میں شامل ہیں۔ آلِ رسول ﷺ سے متعلق ان کی عقیدت اور وفورِ جذبات قطعاتِ تاریخ کی صورت میں ڈھل کر سامنے آئے ہیں۔ ان قطعات میں انھوں نے رواجِ عام سے ہٹ کر نئے اور منفرد انداز سے تاریخیں کہی ہیں۔ ان تاریخوں میں شاعر کی عقیدت اور جذبہ ادبی حسن کے ساتھ مل کر ذوقِ طبع کا سامان بھی فراہم کرتا ہے اور شاعر کا والہانہ پن بھی آشکار کرتا ہے۔ ذیل کی تاریخیں دیکھیے:۔

پنجتن سے ہی محبت کا صلہ ملتا ہے یہ — جو بھی ان کو مان لے وہ رحمت باری میں ہے
دور جو ان سے رہے گا ہے جہنم اس کا گھر — پانچ ہی کا فرق تو بس نوری وناری میں ہے

۲۶۶+۲۶۱(۴۹)

نوری کے اعداد ۲۶۶ ہیں اور ناری کے ۲۶۱۔ شاعر نے پنجتن پاکؑ کی محبت کو نوری اور ان سے عداوت کو ناری سے منسوب کیا ہے۔

نامِ عباس جری کے لیجے پہلے دو حروف — کربلا والوں کی ہے تعداد پنہاں دیکھیے
اب الف اور سین جو باقی بچے ہیں دو حروف — ان میں تاریخ شہادت کو نمایاں دیکھیے (۵۰)

شاعر نے حضرت عباسؓ کے نام سے تاریخ نکالی ہے۔ شاعر کے مطابق اگر ہم حضرت عباسؓ کے نام کے پہلے دو حروف ع اور ب لیں تو ان کے اعداد ۷۲ بنتے ہیں۔ باقی بچنے والے دو حروف الف اور سین کے اعداد ۶۱ بنتے ہیں۔ یہ واقعہ کربلا کی تاریخ ہے۔

حیدر کی بھی صفات ہیں کیا کیا نہ پوچھیے — نفسِ رسول کہہ لو کہ مشکل کشا کہو
تاریخ ہے گواہ سخی و شجاع ہیں — "دریائے فیض" کہہ لو کہ "شیر خدا" کہو

۱۱۱۵ ۱۱۱۵ (۵۱)

مذکورہ بالا تاریخ میں شاعر نے حضرت علیؓ کے حوالے سے تاریخ نکالی ہے۔ ان کے خیال میں 'دریائے فیض' اور 'شیر خدا' کے

اعداد برابر ہیں۔ یہ مشابہت حضرت علیؓ کے حوالے سے کرامت ظاہر کرتی ہے۔ اس قطعہ میں دوسری خوبی یہ ہے کہ شاعر نے دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں لفظ سخی اور شجاع استعمال کیا ہے اور دوسرے مصرع میں ان صفات کی مناسبت سے 'دریائے فیض' اور 'شیر خدا' کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے قطعہ صرف اعداد کا کھیل ہی نہیں رہا بلکہ ادبی حسن سے متصف بھی ہو گیا ہے۔

نیساں اکبر آبادی کی تصنیف ''دُرجِ تاریخ'' کی ایک خوبی اور بھی ہے۔ یہ خوبی تاریخ گوئی کی بہت کم کتابوں میں موجود ہے وہ یہ کہ اس کتاب میں انھوں نے اپنے منظوم اور منثور تاریخی خطوط بھی درج کیے ہیں۔(۵۲) یہ وہ خطوط ہیں جو انھوں نے اپنے معاصرین کو تحریر کیے۔ یہ صلاحیت اور خصوصیت بہت کم تاریخ گویوں کے حصے میں آئی ہے۔ ذیل میں نیساں اکبر آبادی کا ایک تاریخی خط درج کیا جاتا ہے۔ یہ خط انھوں نے اپنے دوست شاعر اور ادیب وحید الحسن ہاشمی کے نام تحریر کیا تھا۔ یہ خط مصنف کے تمام خیالات کا عکاس بھی ہے اور تاریخ گوئی کی عمدہ مثال بھی۔ اس خط میں مکتوب نگار نے مکتوب الیہ کی ناسازیِ طبع کی خیریت دریافت کی اور ان کی صحت کے لیے دعا بھی کی ہے۔ مکتوب الیہ کے مرثیوں کے مجموعے 'العطش' کی وصولی کی رسید دی اور اپنے جذبات سے آگاہ بھی کیا۔ یہ خط ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء میں تحریر کیا گیا۔ اس لیے اس خط کے ہر جملے سے مذکورہ سنین بر آمد ہوتے ہیں۔ خط درج ذیل ہے۔

نیساں اکبر آبادی کا مکرم وحید الحسن ہاشمی کے نام خط ۱۹۹۶ء

محترم وحید دبیر آسماں السلام علیکم ۱۴۱۶ھ

خط آیا ہے آپ کی ناسازی طبع سے تشویش ہوئی۔ ۱۹۹۶ء

میں دوام دعائے صحت کرتا ہوں ۱۴۱۶ھ

آج نیک سیر وحید الحسن کے مرثیوں کا مجموعہ العطش پا گیا ۱۹۹۶ء

آپ کو یہ گوہر نایاب بہت بہت مبارک ۱۴۱۶ھ

میں یہ خط ایک فاضل ادیب کو بھیج رہا ہوں ۱۹۹۶ء

آپ کا شمار صف اول کے ممتاز شعرا و ادیب میں ہوا ۱۹۹۶ء

خط طویل کر کے میں کیا کروں گا جناب اجازت چاہوں گا ۱۹۹۶ء

فقط مرسلہ نیاز مند حقیر نیساں اکبر آبادی ۱۴۱۶ھ (۵۳)

تاریخ گو شعرا و ادبا کی طباعی، ذہانت، مشاقی اور قادر الکلامی کا جوہر اس وقت کھلتا تھا جب وہ نت نئے انداز اور طریقوں سے تاریخیں کہہ کر اپنی قادرالکلامی اور مشاقیِ طبع کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔ نیساں اکبر آبادی نے اپنی تاریخ گوئی کی صلاحیت کا اظہار شعری قطعات میں بھی کیا اور منظوم و منثور خط لکھ کر بھی کیا۔ انھوں نے تاریخ گوئی کی مہارت کا اظہار ایک اور انداز سے

کیا۔ وہ یہ ہے کہ ان کے ایک دوست ابو محمد کا انتقال ہوا تو ان کے فرزند عون محمد نے والد کے چہلم کے موقع پر جو اطلاع نامہ احباب میں تقسیم کرنا تھا، اسے رسم عام کی بجائے تاریخی بنوا کر پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مزید یہ خواہش ظاہر کی یہ اطلاع نامہ ایسا ہو جس میں ان کے والد کی صفات، مقام پیدائش اور ان کے گھر کا پتہ بھی درج ہو۔ ان کے بھائیوں اور سوگواران کا ذکر ہو، ٹیلی فون نمبر بھی تاریخی تحریر میں آئے۔ جہاں دفن ہوا اس کا ذکر ہو اور ان تمام تذکرہ کی خصوصیت یہ ہو کہ ہر جملے سے تاریخ انتقال ابو محمد نکلے اور یہ سب انھیں ایک ہفتہ کے اندر چاہیے تھا۔ نیساں اکبر آبادی نے مختصر وقت میں یہ کارنامہ سرانجام دے کر حقِ دوستی بھی ادا کر دیا اور بچوں کی خواہش بھی پوری کر دی۔ ذیل میں یہ تاریخی اطلاع نامہ درج کیا جاتا ہے۔

1. مجلس ترحیمی پئے ابو محمد رضوی کو کب جاہ ۱۹۸۷ء
2. تاریخی چہلم نمازی ۱۴۰۷ھ
3. شبیر کا شیدا تھا وہ شبیر کی دنیا میں ہے ۱۹۸۷ء
4. سلام و نعت کے شاعر تھے اب ارم پہنچے ۱۹۸۷ء
5. سادہ طبع ابو محمد منتصر کا مقام پیدائش قصبہ زید پور ۱۹۸۷ء
6. آج چودہ سو سات میں انتقال سید ابو محمد ۱۴۰۷ھ
7. ہائے ابو محمد نے چوبیس ذیقعد دن کے گیارہ بجے وفات پائی ابو محمد آپ نے وطن ملت مذہب کے لیے جان تج دی ۱۹۸۷ء
8. خوش گفتار ابو محمد نیک صلح کن ۱۹۸۷ء
9. ابو محمد بینا اپنی ذات میں انجمن تھے ۱۹۸۷ء
10. الفت و پیار کے دلنواز غنچے کھلائے ۱۹۸۷ء
11. دل بدست آور کہ حج اکبر است روش ابو محمد کی ہے ۱۹۸۷ء
12. سایہء رحمت احمد مصطفی میں حلیم الطبع ابو محمد ۱۴۰۷ھ
13. محبت علی میں مرنے والے کو شہید جانا ۱۴۰۷ھ
14. اتحاد بین المسلمین یہ ہی مقصد تھا ۱۴۰۷ھ
15. وہ سوشل ورکر وہ قومی رہبر ۱۴۰۷ھ
16. خدمت مولا علی میں آئے ہیں ۱۴۰۷ھ
17. حلیم مزاج مرحوم کو ایصال ثوا کے لیے اک مجلس عزا امام کا انعقاد کیا جا رہا ہے ۱۹۸۷ء
18. چنانچہ تیئیس اگست سن ستاسی کو مجلس چہلم بپا ہو گئی ۱۹۸۷ء
19. وقت مجلس تین بجے سہ پہر مقرر کیا ہوا ہے ۱۹۸۷ء

20. علامہ طالب جوہری آپ سے خطاب کریں گے ۱۴۰۷ھ
21. آج قیصر بارہوی، نیساں سید ناصر جہاں کلام پیش کریں گے ۱۹۸۷ء
22. مقام امام بارگاہ کرنل مقبول حسین مرحوم ہے ۱۴۰۷ھ
23. آج زنانی مجلس گھر پہ دس بجے منعقد ہونا قرار پائی ۱۴۰۷ھ
24. محترمہ مبارک بانو حدیث علم و ادب پڑھیں گی ۱۹۸۷ء
25. مجلس عزا میں احباب اعزہ سے شرکت کی استدعا ہے ۱۹۸۷ء
26. وضاحتی اعزاز نامہ ۱۴۰۷ھ
27. الحاج ابو محمد کے والد محمد ہاشم ہمایوں وقار ۱۴۰۷ھ
28. غمگین و افسردہ نیک سیر محمد حاکم ۱۹۸۷ء
29. غم زدہ برادران نیک حسب قاسم و وجیہہ محمد ۱۹۸۷ء
30. اب ہیں خادم رضا پر الم ۱۹۸۷ء
31. نیم بسمل سوگواران علی رضا، اقبال نقوی ۱۹۸۷ء
32. سوگوارانِ نیک اطوار مشہود و قمر و مہدی ۱۹۸۷ء
33. افسردہ دل رنجور انصار حیدر ۱۴۰۷ھ
34. حقیر وجود نیساں اکبر آبادی تاریخ گو ۱۹۸۷ء
35. مومن ابو محمد کا پتہ یہ ہے ۱۹۸۷ء
36. بھابھڑا بازار ایف آٹھ سو گیارہ پنڈی ۱۹۸۷ء
37. حوالہ ٹیلی فون چوہتر ہزار چونسٹھ ۱۹۸۷ء
38. جان بلب سوگواران عون محمد شمیم حیدر ابن محمد ۱۴۰۷ھ (۵۴)

نیساں اکبر آبادی نے اپنی تاریخوں میں الف ممدودہ یعنی 'آ' کا کہیں ایک عدد لیا ہے اور کہیں دو۔ تاہم جہاں انھوں نے 'آ' کے دو عدد لیے ہیں۔ وہاں حاشیے میں اس کی نشاندہی کر دی ہے۔ 'آ' کے دو عدد لینے کے حوالے سے ان کا نقطہء نظر یہ ہے کہ اگر مادہء تاریخ خوبصورت ہاتھ آئے تو اس مادہء تاریخ کو ضائع کرنے کی بجائے الف ممدودہ سے دو عدد ہی لے لینے چاہییں۔ شرط یہ ہے کہ اس کی وضاحت حاشیے میں کر دی جائے۔(۵۵) اگرچہ تاریخ گو شعرا کے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ 'آ' کا ایک عدد لیں یا دو۔ کسی نے ایک عدد لیا ہے اور کسی نے دو۔ نیساں اکبر آبادی کی تاریخوں میں 'آ' کا ایک عدد بھی لیا گیا ہے اور دو بھی۔ ایسی صورت حال میں تاریخ کے استخراج میں مشکل پیش آسکتی ہے۔ اگر تاریخ کے استخراج کرنے والے کے پاس ان کی کتاب

'دُرجِ تاریخ ' نہ ہو یا اسے علم نہ ہو کہ شاعر نے تاریخ میں 'آ' کا ایک عدد لیا ہے یا دو تو تاریخ کے استخراج اور تعین میں ایک سال کا فرق پیدا ہو سکتا ہے۔ تاریخ گوئی کی روایت میں تاریخ گو شعرا نے 'آ' کے حوالے سے ایک ہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ یا انھوں نے 'آ' کا ایک عدد لیا ہے یا دو۔ ممکن ہے کسی شاعر نے 'آ' کے دونوں اعداد لیے ہوں لیکن اس عمل کو تاریخ گوئی کی روایت کے تناظر میں پسند نہیں کیا جا سکتا۔

ماحصل

تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے۔ جس میں حسابی قابلیت کے بل پر ہی تاریخ گو کامیابی کے زینے پر قدم رکھتا ہے۔ یہی نہیں تاریخ گو اور بہت سی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب پابندیوں کے باوجود نیساں اکبر آبادی کی تاریخیں فقط تاریخیں نہیں بلکہ ادبی شاہکار کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔ ان تاریخوں میں انھوں نے خوبصورت مضمون آفرینی کے نمونے فراہم کیے ہیں۔ یہ مضمون آفرینی کے نمونے 'دُرجِ تاریخ ' کے صفحات پر جابجا نظر آتے ہیں۔ یہ مضامین اکثر اوقات پورے مصرعے میں اس طور پر جلوہ گر ہوتے ہیں کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ مضامین اس قدر رواں اور صاف ہوتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ ان مصرعوں کے عقب میں کسی کی وفات، پیدائش یا کسی واقعہ کے وقوع کا سال بھی چھپا ہوا ہے۔ نیساں اکبر آبادی بیسویں صدی کی اردو تاریخ گوئی کی روایت کا وہ درخشندہ ستارہ ہے جس نے ذہنِ رسا، حسابی قابلیت، ذکاوتِ طبع اور تخلیقی اپج کی بدولت خوبصورت تاریخیں اور یاد رہ جانے والے مادہء تاریخ کہے ہیں۔ جس طرح کسی شاعر کی بقا کا راز اس کی یاد رہ جانے والی غزلیں، نظمیں یا اشعار ہوتے ہیں۔ یہی اس کا سرمایہ ہوتے ہیں اور یہی اس کی بقا کے ضامن بھی۔ بالکل اسی طرح نیساں اکبر آبادی کے تاریخی قطعات میں سے بہت سے قطعات اور تاریخی مادے ایسے ہیں جو قارئین کے ذہنوں میں محفوظ رہیں گے۔ اسی وجہ سے ان کا نام بیسویں صدی کی اردو تاریخ گوئی کی روایت میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حواشی

۱۔ دیوانِ حالی، الطاف حسین حالی، نامی پریس کانپور، ۱۸۹۳ء ص ۳۲۰۔۳۱۹

۲۔ دُرجِ تاریخ، نیساں اکبر آبادی، مطبع ٹی۔ ایس۔ پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی، ۱۹۹۷ء ص ۲۶۔۲۵

۳۔ دیکھیے: تحقیقِ سخن، سید حسن مرتضیٰ شفق، مطبع سلیمانی شاہکی املی، پٹنہ، ۱۹۳۰ء ص ۶۰ (۲) افادہء تاریخ مشمولہ نگار، کراچی، تاریخ نمبر جولائی ۱۹۶۳ء ص ۶ (۳) بیان التواریخ، شاہ محمد عزیز اللہ عزیز، ابو لعلائی پریس، آگرہ، ۱۳۳۲ھ، ص ۳

۴۔ دُرجِ تاریخ ص ۴۳

۵۔ ایضاً، ص ۴۳

۶۔ ایضاً، ص ۶۱

۷۔ بیان التواریخ، شاہ محمد عزیز اللہ عزیز، ابو لعلائی پریس، آگرہ، ۱۳۳۲ھ ص ۳۔۲

۸۔ دُرجِ تاریخ، ص۴۸

۹۔ ایضاً ، ص۵۸

۱۰۔ غرائب الجمل، نواب عزیز جنگ وِلا، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۸ء ص ۱۳۱ ۱۱۔ ایضاً ص ۴۵

۱۲۔ ایضاً ص ۵۷

۱۳۔ ایضاً ص ۵۰

۱۴۔ ایضاً ص ۵۴

۱۵۔ ایضاً ص ۵۵

۱۶۔ ایضاً ص ۵۶

۱۷۔ ایضاً ص ۵۶

۱۸۔ ایضاً ص ۵۹

۱۹۔ ایضاً ص ۶۴

۲۰۔ ایضاً ص ۶۱

۲۱۔ ایضاً ص ۵۰

۲۲۔ ایضاً ص ۵۵

۲۳۔ غرائب الجمل ص ۱۳۲

۲۴۔ نگار، کراچی، تاریخ نمبر جولائی ۱۹۶۳ء ص ۴۰۔۳۹

۲۵۔ دُرجِ تاریخ، ص ۴۷

۲۶۔ ایضاً ص ۵۲

۲۷۔ ایضاً ص ۵۲

۲۸۔ ایضاً ص ۶۳

۲۹۔ غرائب الجمل ص ۱۳۲

۳۰۔ دُرجِ تاریخ، ص ۴۷

۳۱۔ ایضاً ص ۵۲

۳۲۔ ایضاً ص ۴۴

۳۳۔ ایضاً ص ۵۳

۳۴۔ ایضاً ص ۶۱

۳۵۔ ایضاً ص ۶۷

۳۶۔ ایضاً ص ۶۸

۳۷۔ آثار التواریخ، مولانا حامد حسن قادری، بکس انٹر نیشنل برطانیہ، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص ۵۱

۳۸۔ دُرجِ تاریخ، ص ۴۳

۳۹۔ ایضاً ص ۴۹

۴۰۔ ایضاً ص ۵۳

۴۱۔ ایضاً ص ۶۴

۴۲۔ ایضاً ص ۴۶

۴۳۔ ایضاً ص ۶۸

۴۴۔ ایضاً ص ۵۰

۴۵۔ ایضاً ص ۵۲

۴۶۔ ایضاً ص ۶۴

۴۷۔ ایضاً ص ۴۸

۴۸۔ ایضاً ص ۳۶۔۳۵

۴۹۔ ایضاً ص ۷۴

۵۰۔ ایضاً ص ۷۸

۵۱۔ ایضاً ص ۸۰

۵۲۔ تاریخی خطوط ان خطوط کو کہا جاتا ہے جن کے ہر جملے سے مطلوبہ سال مستخرج ہوتا ہے۔ تاریخ گو خط میں اپنا مافی الضمیر بھی بیان کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود اس تحریر کے ہر جملے سے تاریخ بھی بر آمد ہوتی ہے۔

۵۳۔ دُرجِ تاریخ ص ۸۶

۵۴۔ ایضاً ص ۹۶۔۹۴

۵۵۔ گلستانِ ادب، نیساں اکبر آبادی، مطبع ٹی۔ ایس، پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی، ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء، ص ۱۶۸